© rasailojaraid.com

جناب محمد عبداللہ قریشی

قانونِ شریعت

جب سے دنیا قائم ہوئی ہے، سرداری اور حکمرانی کے آئین وضوابط بنتے چلے آرہے ہیں۔ ہر زمانے کے مدبروں اور مقننوں نے اپنے ملک، اپنی قوم اور سلطنت وحکومت کے مفاد کی خاطر بہتر سے بہتر قوانین وضع کیے، لیکن ان میں سے کسی کو دوام نصیب نہ ہوسکا۔ جب زمانے کی مقتضیات، انسانی ضرورتوں ملکی مصلحتوں اور حالات کے تقاضوں نے ان قوانین کا ساتھ چھوڑ دیا، تو جن ہاتھوں نے ان کو نافذ کیا تھا، ان ہی ہاتھوں نے ان پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا۔ وہ قوانین منسوخ ہوگئے اور ان کی جگہ دوسرے دستور اور آئین وضوابط نے لے لی۔

یہ تو دنیاوی حکومتوں اور سلطنتوں کے آئین کا حال تھا۔ اگر ان قوانین پر ایک نظر ڈالی جائے جو دنیا میں الٰہی یا خدائی قانون کے نام سے رائج ہوئے، تو ان میں بھی بہت تحریف ہوچکی ہے۔ صرف شریعتِ اسلامی تحریف سے محفوظ ہے۔ اسلامی شریعت ایک مستحکم قانون ہے اور اس میں استحکام صرف اس لیے ہے کہ اس کے اصول منزل مِن اللہ ہیں اور ان کی تشریح وتوضیح خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے، آپ کے بعد صحابہ کرام نے اور پھر اسی روشنی میں مختلف بزرگانِ دین نے یہ خدمت انجام دی ہے۔ اسی قانونِ شریعت کا دوسرا نام فقہ ہے اور وہ عالم جو کتاب وسنت کے مقرر کردہ اصولوں کی روشنی میں ان کے حقائق معلوم کرتے اور مشکل امور کی وضاحت کرتے ہیں، ان کو "فقیہ" کہتے ہیں۔ چوں کہ کتاب و سنت میں ضروریات کے بنیادی اصول موجود ہیں، اس لیے فقیہ کی حیثیت واضع یا مجوز کی نہیں بلکہ مفسّر و شارح کی ہے۔

قرآنِ مجید تھوڑا تھوڑا کرکے تیئیس سال کی مدت میں نازل ہوا۔ اس میں سابقہ امتوں کا ذکر بھی ہے، قصص وواقعات بھی ہیں اور پند وموعظت بھی۔ ان کے علاوہ مختلف احکام ہیں جن کی تعداد پانچ سو کے قریب ہے۔ اس کے باوجود جب کوئی نئی ضرورت پیش آتی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے متعلق حکم جاری فرماتے اور اس کی وضاحت کرتے۔ مثلاً قرآن مجید نے پاک چیزوں کو حلال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیا۔ ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں باقی تھیں، جن کے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت فرمادی کہ ہر درندہ اور پنجہ دار جانور حرام ہے۔ اسی طرح قرآن نے زکوٰۃ کا حکم دیا لیکن اس مال کی تفصیل نہیں بتلائی جس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ نہ زکوٰۃ کی تعیین کی۔ حضورؐ نے اس کی توضیح فرمادی۔ قرآن مجید نے جان کی دیت تو بتادی، اعضا کی دیت نہ بتلائی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل بیان فرمادی۔

قرآن مجید میں حکم ہے: واقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم۔ یعنی مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کردو۔ یہ حکم عام ہے۔ اس میں کوئی استثنا نہیں، لیکن حضور علیہ السلام نے اس سلسلے میں جو کچھ فرمایا اس سے پتا چلا کہ مشرکین کے قتل کا حکم اس وجہ سے ہے کہ وہ مسلمانوں کو قتل اور ایذا پہنچاتے ہیں۔ آپ نے بوڑھے، بچے اور بیمار کو اس سے مستثنیٰ کردیا کہ یہ جدال و قتال پر

قرآن مجید نے ماں، بیٹی اور دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کو حرام قرار دیا۔ حضورؐ نے بیوی کی پھوپھی اور خالہ کو بھی نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمادیا۔

حجۃ الوداع کے موقعے پر ایک صحابیہ نے عرض کی کہ میرا باپ بہت بوڑھا اور ضعیف ہے۔ حج اس پر فرض ہے لیکن وہ سفر اور سواری پر قادر نہیں۔ کیا میں اس کی طرف سے حج ادا کردوں؟ حضور نے فرمایا۔ اگر تیرے باپ پر قرض ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتی؟ صحابیہ نے کہا۔ ہاں! فرمایا، پھر اللہ تعالیٰ کا قرض تو سب سے پہلے ادا کرنا چاہیے۔

بعض امور و معاملات کے متعلق حضور بعض اکابر صحابہ سے مشورہ بھی فرماتے تھے، جیسے اذان کے بارے میں یا اسیران بدر کے معاملے میں یا غزوۂ احد کے لیے جگہ کے انتخاب کے سلسلے میں یا پھر غزوۂ خندق کے موقعے پر۔ شوریٰ کا اعزاز ہر صحابی کو حاصل نہ تھا۔ صرف ان اصحاب سے مشورہ کیا جاتا تھا، جن کا علم و تجربہ وسیع اور جن کی عقل و فراست دوسروں سے زیادہ اور رائے صائب ہوتی تھی۔ جب اکثر اصحابِ صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچھی طرح مستفیض ہوگئے تو حضورؐ نے ان میں سے بعض کو اجتہاد و فتویٰ کی اجازت دے دی۔ حضرت عمرؓ، حضرت علی اور ابوموسیٰ اشعریؓ پہلے صحابہ ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے فتویٰ دیتے تھے۔

جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی اور ضرورتیں بڑھ گئیں تو اس فہرست میں حضرت ابوبکرؓ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، عمار بن یاسر اور سلمان فارسیؓ کا اضافہ ہوگیا۔ اُن کے علاوہ بعض دیگر صحابہ بھی رائے اور اجتہاد سے کام لیتے تھے اور حضور ان کو پسند فرماتے تھے۔ مثلاً ایک مرتبہ جماعت سے نماز ہو رہی تھی اور سب قعدہ میں تھے۔ حضرت معاذؓ آئے اور قعدہ ہی میں شریک ہوگئے۔ اسلام کے بعد انھوں نے اُٹھ کر باقی رکعتیں پوری کریں۔ اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معاذؓ نے تمھارے لیے ایک طریقہ نکالا ہے، تم بھی ایسا ہی کیا کرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اجتہادی فیصلوں سے حضورؐ اتنے مطمئن تھے کہ ایک دفعہ فرمایا "ابن مسعود کی ہدایت اور حکم کو مضبوطی سے تھام لو"۔ پھر فرمایا۔ "ابن مسعود جن امور کو پسند کریں، میں ان کو اپنی ساری امت کے لیے پسند کرتا ہوں اور جن امور کو وہ ناپسند کریں، میں انھیں ناپسند کرتا ہوں"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں یہ تمام مسائل سینوں میں محفوظ رہے۔ قواعد و ضوابط بھی ضبط تحریر میں نہ لائے جا سکے۔ کیوں کہ حضور کا ارشاد تھا کہ مجھ سے قرآن کے سوا کچھ نہ لکھو۔ حضورؐ کی یہ احتیاط محض اس بنا پر تھی کہ کہیں قرآنِ مجید کی آیات کے ساتھ حدیث یا مسائل خلط ملط نہ ہو جائیں۔ رسول کریم کی مبارک زندگی تک مسلمانوں کی ضروریات محدود تھیں اور طرزِ معاشرت سادہ۔ صحابہ کرام جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھتے، اسی طرح کرتے، نہ حجت نہ تکرار، نہ جھگڑا نہ بحث۔ صرف اتباع ہی اتباع تھی۔ حضور علیہ السلام کی رحلت کے بعد ملکی فتوحات کے ساتھ تمدن و معاشرت میں بھی وسعت ہوئی۔ مختلف ممالک کے باشندے اور مختلف مذاہب کے لوگ ایک دوسرے سے ملے۔ طور طریقوں سے نئی نئی قسم کے واقعات اور مسائل پیدا ہوئے، جن کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی حکم صراحت کے ساتھ موجود نہ تھا، اس لیے اجتہاد و استنباط کی زیادہ ضرورت محسوس ہوئی اور جزئیات کے فیصلوں کے لیے اجتہاد و قیاس سے کام لیا جانے لگا۔

خلفائے راشدین نے استنباطِ مسائل میں یہاں تک احتیاط برتی کہ جب کوئی مسئلہ سامنے آتا، تو سب سے پہلے اس کے متعلق قرآنِ مجید میں غور کرتے۔ اس کے بعد اسے مجلس صحابہ میں پیش کرتے، اگر کسی کو اس کے متعلق حدیث معلوم ہوتی تو وہ بیان کرتا اور اسی کے مطابق عمل درآمد ہوتا، ورنہ جماعت کے مشورے سے معاملہ طے کیا جاتا۔ اس مجلس کے صدر خود خلیفہ ہوتے اور اس کے رکن وہ اہل الرائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصحاب جن کا فہم و ادراک مانا ہوا ہوتا۔ چوں کہ سب کی عقلیں یکساں نہیں ہوتیں، اس لیے اکثر اختلاف رائے بھی ہوتا، مگر اس سے کوئی رنجش یا بے لطفی پیدا نہ ہوتی بلکہ ایک دوسرے کی رائے پر غور کرنے سے بہتر نتائج مرتب ہوتے۔ حضرت زید بن ثابتؓ کو اجتہادی مسائل میں حضرت ابوبکرؓ سے اکثر اختلاف رہتا تھا، لیکن حضرت ابوبکر نے ان کو مجلسِ شوریٰ کا رکن مقرر کیا اور جمع قرآن پر بھی مامور فرمایا۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں اس میں اجماع کا اضافہ ہو گیا۔ حضرت عمرؓ مندرجہ بالا صورتوں کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ کے فیصلے بھی تلاش کرتے۔ گویا ان کے عہد میں آثار سلف بھی شامل ہو گئے۔ چنانچہ حضرت عثمان سے بیعتِ خلافت کے وقت یہ حلف لیا گیا کہ وہ قرآن و حدیث و سنتِ شیخین پر عمل کریں گے۔ حضرت علی نے کوفے کی مسجد میں خطبہ دیتے ہوئے کہا کہ میری رائے اور عمر کی رائے عدم جواز بیع ام ولد پر متفق تھی لیکن اب میں ام ولد کا بیع کرنا صحیح خیال کرتا ہوں۔ اس پر ابو عبیدہؓ نے کہا کہ آپ کی رائے جماعت کی رائے کے ساتھ ہمارے نزدیک آپ کی تنہا رائے سے بہتر ہے۔ یہ سن کر حضرت علیؓ نے سر جھکا لیا۔

خلافتِ راشدہ کے بعد خلفا کو اپنی سیاسی الجھنوں کی وجہ سے دینی امور کی طرف توجہ کم رہی، اس لیے خلافتِ راشدہ کے زمانے کا نظام چنداں باقی نہ رہا۔ جو صحابی جہاں تھا خود مجتہد تھا۔ پھر جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا، صحابہ کی تعداد کم ہوتی گئی اور ان کی جگہ تابعین کی جماعت سے مجتہد پیدا ہوتے رہے۔ ان کے اجتہاد کو بھی عالم اسلام نے قبول کیا اور وہ اہل الرائے کہلائے۔ اہل رائے، حدیث پر پوری طرح غور کرتے تھے۔ صحیح حدیث کی موجودگی میں رائے پر عمل نہ ہوتا۔ امام ابو حنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ حدیث کے مقابلے میں میرے قول کو چھوڑ دو۔ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ جو حدیث میری رائے کے خلاف پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے، اس پر عمل کیا جائے۔

اس دور میں علمائے فقہ نے رائے اور قیاس کی دو قسمیں کی تھیں۔ ایک محمود اور دوسری مذموم۔ اجتہاد میں رائے اور قیاس محمود سے کام لیا جاتا تھا، جو دلائل شرعیہ سے مستند ہوتا تھا۔ مذموم رائے کو مردود سمجھا جاتا تھا۔ جب حکومت اہلِ ہوس اور عیش پسند حکمرانوں کے ہاتھ میں چلی گئی، جن کو مذہبی امور سے پوری دلچسپی نہ تھی تو اہل حق کو عقائد حقہ کی حفاظت میں سخت دشواریوں کا سامنا ہوا۔ خدا رحمتوں کے پھول برسائے ائمہ اسلام پر کہ انھوں نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے حدیث کے اقسام اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کی جانچ پڑتال کے اصول و قواعد مقرر کیے، حدیث کے مراتب اور رواۃ کے درجے قائم کیے، اسماء الرجال، فقہ اور اصولِ فقہ پر کتابیں لکھیں۔ چنانچہ اس عہد میں اجتہاد کے لیے کتاب، سنت، قیاس، آثارِ صحابہ اور اجماع کے علاوہ مذہبِ سلف اور علمِ لغت کا بھی اضافہ ہوگیا۔

قرآن اور حدیث سے پانچ قسم کے مضامین اخذ کیے جاتے تھے: اول وہ جن کا تعلق اعتقادات سے ہے۔ یعنی وہ امور جن کا علم راسخ دل میں بٹھانا اور ان پر محکم یقین کرنا مومن کے لیے لازم ہے، جیسے ذات وصفاتِ باری تعالیٰ، رسالت، ملائکہ اور یوم آخرت وغیرہ۔ دوم وہ جو تزکیۂ نفس، عبادات، تہذیب، اخلاق اور سیاستِ مدن (عمرانیات) سے تعلق رکھتے ہیں۔ سوم، گزشتہ امتوں اور نبیوں کے حالات جو دوسروں کی عبرت کے لیے ہیں۔ چہارم وہ احکاماتِ قطعیہ جن کا تعلق اصولِ عبادات و معاملات سے ہے۔ ان چار باتوں میں کسی کو اختلاف نہیں، اس لیے کہ ان میں اجتہاد اور رائے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ قسم پنجم، وہ ارشادات ہیں، جن کا تعلق بیشتر عبادات سے اور فی الجملہ معاملات سے ہے۔ مثلاً تجارت، خرید و فروخت، اقرار نامے، گواہی وغیرہ ـــ مثال کے طور پر قرآن مجید نے نماز کا حکم دیا اور سنت نے اس کی شکل متعین کی۔ فقہا نے یہ واضح کر دیا کہ کون کون سے حصے فرض ہیں اور کون سے واجب، کون سے سنت اور کون سے مستحب۔ انھوں نے یہ بھی صراحت کر دی کہ نفل رکعتوں میں کس نفل کا کیا درجہ ہے۔ اسی طرح یہ بھی بتا دیا کہ کن باتوں سے ہماری نماز درست نہیں رہتی اور کن باتوں سے نماز میں ایسا نقص پیدا ہو جاتا ہے کہ جس کی تلافی کی شکل ہم کو سنت میں ملتی ہے اور کن باتوں سے نماز اپنے ارفع درجے سے گر جاتی ہے۔ یہ سب اجتہاد ہی سے کیا گیا۔ اس طرح بہت سی عبادات، معاملات اور اخلاق کی درجہ بندی فقہ ہی کی رہین منت ہے۔

قرآن پاک نے ہم کو بیع کی اجازت دی۔ سنت نے اس کے لیے ایجاب و قبول اور رضا خاص طرزِ ادا کو ضروری قرار دیا۔ لیکن بیچنے والے اور خریدار میں سے ہر ایک کے لیے ایجاب و قبول کے الفاظ کا خود ان کی زبان سے ادا کرنا ضروری قرار نہیں دیا۔ اسی طرح بیع کے معاملے کی تکمیل کے لیے دو گواہ ضروری قرار نہیں دیے۔ یعنی سنت سے اس کے کچھ اجزا ضرور معلوم ہوئے لیکن کون سے اجزا اس کے لیے ضروری ہیں اور کون سے اجزا کی اہمیت اس سے کم درجے پر ہے، ان دو درجوں کا تفاوت ہم کو فقہ ہی سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ مسائل ائمہ مجتہدین میں مختلف فیہ ہیں اور ان میں رائے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجتہاد کا زیادہ عمل دخل تھا۔

اصولِ فقہ اور تدوینِ فقہ کا خیال سب سے پہلے امام ابوحنیفہ کے دل میں پیدا ہوا اور انھوں نے ۱۲۱ھ میں اس طرح کام شروع کیا کہ اپنے تلامذہ میں سے چالیس اہلِ کمال کی ایک مجلس بنائی۔ اس جماعت کے ارکان ان تمام علوم و فنون میں ماہر تھے جن کی فقہ و اجتہاد کے لیے ضرورت تھی۔ تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ ایک مسئلہ پیش کیا جاتا۔ اگر سب اس پر متفق ہو جاتے، تو وہ لکھ لیا جاتا۔ اگر اختلاف ہوتا، تو اس پر آزادانہ بحث ہوتی۔ امام ابوحنیفہ سب کی دلیلیں سن کر اپنا فیصلہ تحریر کراتے اور جو اصحاب فیصلے کے بعد بھی اپنی رائے پر قائم رہتے، ان کا جزوی اختلاف بھی قلم بند کر لیا جاتا۔ جب تک تمام ارکانِ مجلس جمع نہ ہو جاتے، کارروائی شروع نہ کی جاتی۔ ایک مرتبہ امام زفرؒ نے ایک مسئلے میں شام سے بحث شروع کی، اسی میں صبح ہو گئی اور دن چڑھے فیصلہ ہوا۔ اسی طرح ۱۵۰ھ یعنی تیس برس میں فقہ کا ایک مجموعہ مرتب ہوا۔ اس مجموعے کی ترتیب اس طرح تھی، باب الطہارت، باب الصلوٰۃ، باب الصوم، دیگر عبادات کے ابواب۔ اس کے بعد معاملات، سب سے آخر میں میراث۔

یہ مجموعہ اتنا مقبول ہوا کہ جس قدر تیار ہوتا، اسی قدر ملک میں شائع ہو جاتا۔ امام ابوحنیفہ کے ہم عصر مجتہدین بھی اس مجموعے سے استفادہ کرتے تھے۔ علاوہ ازیں امام مالک نے "موطا" لکھا۔ امام سفیان ثوری نے بھی بہت خدمات انجام دیں۔ امام احمد بن حنبل بڑے پایہ کے محدث ہونے کے باوجود بہت بڑے فقیہ تھے۔ امام شافعی کے متعلق ابنِ خلدون لکھتا ہے کہ انھوں نے اہلِ حجاز کا طریقہ (امام مالکؒ کا مسلک)، اہلِ عراق کا طریقہ (امام ابوحنیفہؒ کا مذہب) ملا جلا کر اپنا فقہی مسلک الگ قائم کیا۔ امام ابویوسف اور امام محمد کی تصانیف جو آج دنیا میں موجود ہیں، وہ امام ابوحنیفہ کے مسائل کا ذخیرہ ہیں۔ بہت سے محدثین اور علما و ائمہ نے امام ابوحنیفہ کے مذہب پر کتابیں تصنیف کیں۔ بعض نامور کشور کشا اور سلاطین نے بھی فقہِ حنفی پر کتابیں لکھوائی ہیں۔ ان میں سلطان محمود غزنوی کی کتاب التطرید بھی شامل ہے، جس میں ساٹھ ہزار مسئلے ہیں۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے فتاوائے عالمگیری مرتب کرایا جو بڑی شہرت رکھتا ہے۔ اورنگ زیب سے قبل سلطان فیروز شاہ تغلق کی علمی سرپرستی میں بھی ایک بزرگ علا بن عالم نے فتاوائے تتارخانیہ مرتب کیا تھا، جس کے نامکمل مخطوطے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔ مکمل سیٹ پیر محمد شاہ لائبریری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احمد آباد گجرات میں موجود ہے مگر ابھی تک شائع نہیں ہوا۔

تمام آئمۂ مجتہدین کا طریقہ یہ تھا کہ اول مسئلے کو کتاب و سنت میں تلاش کرتے۔ اس میں کامیابی نہ ہوتی تو مذہبِ سلف کی طرف رجوع کرتے۔ مجبور ہو کر رائے و قیاس سے کام لیتے۔ امام مالک نے ۱۳۰ھ میں موطا کی ترتیب کا سلسلہ شروع کیا اور ۱۴۰ھ میں موطا ختم کر دی۔ اس میں صرف سات سو حدیثیں ہیں مگر بڑے کام کی ہیں۔ موطا کے بعد صحیحین تیار ہوئیں۔ امام مالکؒ کا مذہب مغرب اور اندلس میں زیادہ پھیلا باقی ممالک میں کم۔

اسی زمانے میں امام سفیان ثوری، امام اوزاعی اور امام موسیٰ کاظم نے بھی اجتہاد کا سلسلہ جاری کیا مگر ان کے مذاہب باقاعدہ مدون نہ ہوئے۔ اس لیے کچھ عرصہ چل کر ختم ہو گئے۔ دوام صرف چار اماموں ہی کے مذہب کو نصیب ہوا، جو حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کہلاتے ہیں۔

ائمۂ کرام کے متعلق یہ عقیدہ کسی کا نہیں کہ وہ معصوم تھے۔ ہاں یہ خیال ضرور ہے کہ اللہ نے ان کو توفیق عطا فرمائی اور انھوں نے کمال دیانت و احتیاط کے ساتھ تمام مسائل قرآن و حدیث سے اخذ کیے اور اس میں جو کمی رہ گئی وہ ان کے تلامذہ اور بعد کے ائمہ نے پوری کر دی۔ اس لیے یہ کہنا کسی طرح مبالغہ نہیں کہ ان کا مذہب قرآن و حدیث کے مطابق ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا، وہ بڑا اختلاف دیکھے گا۔ پس لازم ہے کہ وہ میری سنت اور صحابہ کی سنت پر عمل کرے۔ پھر فرمایا معصیت میں اطاعت نہیں، امر میں اطاعت ہے۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بڑے جتھے کی پیروی کرو۔ جو اس سے جدا ہوا، اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور یہ کہ میری امت کا اجماع گم راہی پر نہ ہوگا۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین نے مسائل کا استنباط قرآن و حدیث ہی سے کیا ہے، خواہ مخواہ قیاس اور رائے سے کام نہیں لیا اور جو زمانہ اور استاد انھوں نے پائے، ان سے یقین ہوتا ہے کہ رسول کریمؐ کی حدیثیں ان تک پہنچ گئی تھیں۔ اگر آج ہم کو ان کا کوئی مسئلہ بہ ظاہر حدیث کے خلاف معلوم ہو تو ہم کو مضطرب نہیں ہونا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ استنباطِ نتائج کے وقت امام کے پیشِ نظر اس نص سے قوی کوئی دوسری نص موجود ہو یا جو حدیث امام کے پیشِ نظر ہو وہ ایسے راویوں کے ذریعے پہنچی ہو جن پر اعتماد نہ کیا جا سکتا ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ائمہ مجتہدین کے حالاتِ زندگی بھی یقین دلاتے ہیں کہ انھوں نے جو کچھ کیا، اپنے علم کی روشنی میں پورے غور و خوص کے بعد دیانت کے ساتھ کیا۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اپنے بعض مسائل سے رجوع کیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ائمۂ کرام میں ضد یا ہٹ دھرمی ہرگز نہیں تھی بلکہ خالص طلب حق تھی۔ علمِ حدیث و فقہ کا جو بیش بہا ذخیرہ اس وقت ہمارے پاس موجود ہے، وہ بلاشبہ مستند اور حق پرست ائمۂ عظام کی محنت و عرق ریزی کا نتیجہ ہے۔

مسلمانوں کے عقائد و افکار :

(مقالات الاسلامیین)

علامہ ابوالحسن اشعری

ترجمہ

مولانا محمد حنیف ندوی

علامہ ابوالحسن اشعری چوتھی صدی ہجری کی وہ جلیل القدر شخصیت ہیں جنھوں نے مسلسل چالیس برس تک اعتزال و جہمیت کی فتنہ سامانیوں کا شکار رہنے کے باوجود اپنے لیے فکر و تعمق اور اجتہاد و کلام کا ایک علیحدہ اور منفرد دبستان سجایا۔

" مقالات الاسلامیین " ان کا وہ علمی شاہکار ہے جسے افکار و نظریات کا انسائیکلوپیڈیا کہنا چاہیے۔ اس میں علامہ نے چوتھی صدی ہجری کے اوائل کے ان تمام عقائد اور افکار کو بغیر کسی تعصب کے بیان کر دیا ہے جو صدیوں ہمارے ہاں کے فکری و کلامی مناظروں کا محور بنے رہے۔ اس کے مطالعے سے جہاں یہ معلوم ہوگا کہ مسلمانوں نے نفسیات، اخلاق اور مادہ و روح کے بارے میں کن کن علمی جواہر پاروں کی تخلیق کی ہے۔ وہاں یہ حقیقت نکھر کر سامنے آئے گی کہ ماضی میں فکر و نظر کی کجی نے کن کن گمراہیوں کو جنم دیا ہے اور ان گمراہیوں کے مقابلے میں اسلام نے کن معجزانہ انداز سے اپنے وجود کو قائم اور برقرار رکھا ہے۔

حصہ اول : صفحات ۳۸۰ قیمت ۲۰ روپے

حصہ دوم : صفحات ۴۴۲ قیمت ۲۰ روپے

ملنے کا پتا : ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور

© rasailojaraid.com